ڈاکٹر عبدالواجد تبسم*

مضامین سرسید کا موضوعاتی اور اسلوبی تنوع: تجزیاتی مطالعہ

Abstract: *Essay as genre started its journey from English and than came into Urdu. In Europe Joseph Addison and Richard Steele worked for the popularity of it through their esteem journals Spectator and Tatler. In Urdu Master Ram Chandra is considered to be the founder of it. He launched a journal "Fawaid u Nazreen" in which he published articles on different aspects of life. We can't say that these articles are literary essays because these are focused on morality. Sir Syed Ahmad Khan also started a journal "Tehzeeb ul Akhlaq"on the Pattern of Spectator but he focused all aspects of Muslim's life of Subcontinent which includes Moral values, civilization, religion and literature. We can say that He is the real founder of literary essay in Urdu. This article is subjective, stylistic and analytical study of Sir Syed's Essays.*

اردو میں مضمون نگاری کا آغاز انگریزی کے تتبع میں ہوا۔ یورپ میں اس کا آغاز مانتین نے کیا اور انگلستان میں اس کا سہرہ بیکن، ایڈیسن اور اسٹیل کے سر ہے جنھوں نے اسے اپنے مشہور زمانہ رسائل " اسپیکٹیٹر "اور " ٹیٹلر " کے ذریعے مقبول بنایا۔ اردو میں اس کا آغاز ماسٹر رام چندر نے کیا۔ انھوں نے "اسپکٹیٹر" کی طرز پر ۱۸۴۵ء میں پندرہ روزہ "فوائد الناظرین" اور ۱۸۴۷ء میں ایک ماہوار رسالے "خیر خواہ ہند" کا آغاز کیا جو بعد ازاں اسی سال نومبر ۱۸۴۷ء میں "محب ہند" ہو گیا۔ یہ اردو کا پہلا علمی و ادبی رسالہ تھا جس میں انھوں نے سائنسی، علمی، اخلاقی، اصلاحی، سیاسی، سماجی اور معاشی موضوعات پر مضامین لکھے جن کی نوعیت زیادہ تر علمی ہے۔ ان کے نثر پارے ادبی مضامین کی ذیل میں اس لیے نہیں آسکتے کہ انھوں نے اخلاقی اور اصلاحی موضوعات کو عالمانہ رنگ میں پیش کیا ہے اور شاید ادبی رنگ پیدا کرنا ان کا مقصد بھی نہیں تھا۔ ماسٹر رام چندر کی نثر سراسر عامی نثر ہے۔ جس میں وضاحت و صراحت ان کے پیش نظر رہتی ہے اور یہ علمی نثر بھی ابھی تجربہ گاہ کی منزل سے گزر رہی تھی(۱)

سرسید احمد خان نے بھی اگرچہ اپنی مضمون نگاری کا آغاز "اسپکٹیٹر" کی طرز پر کیا اور بطور خاص اصلاح معاشرت، تہذیب اور مذہب کو اپنا موضوع بنایا مگر ان کے مضامین عالمانہ ہونے کے علاوہ ادبی شان بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس بنا پر انھیں اردو میں ادبی مضمون نگاری کے حوالے سے اولیت حاصل ہے۔ ۱۸۶۹ء میں قیام انگلستان کے زمانے میں ایڈیسن اور اسٹیل کے رسائل "اسپکٹیٹر" اور " ٹیٹلر" کی معاشرتی اصلاح نے سرسید احمد خاں کو متاثر کیا اور انھوں نے اپنے عہد کے مسلمانوں کی اخلاقی، تعلیمی، تہذیبی اور ادبی اصلاح کے لیے

* اسسٹنٹ پروفیسر اردو، شعبہ پاکستانی زبانیں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

ایک ادبی رسالے "تہذیب الاخلاق" کے اجرا کا فیصلہ قیام یورپ کے زمانے میں ہی کر لیا تھا۔ اس رسالے کی ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے وہی حیثیت تھی جو اسٹیل اور ایڈیسن کے ٹیٹلر اور اسپکٹیٹر کی لندن میں انگریز قوم کے لیے تھی۔ ان رسائل کے بارے میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ انھوں نے انگریز قوم کے اطوار، رسوم اور قومی تصورات پر بے پناہ اثرات ڈالے۔ (۲)

ایڈیسن اور اسٹیل نے اپنے مضامین میں معاشرتی اور اخلاقی اصلاح کے لیے خوش طبعی کو بنیاد بنایا بلکہ ایڈیسن نے اس کا ذکر بھی کیا ہے کہ وہ خوش طبعی اور اخلاق کو ایسے باہم ایک کرے گا کہ پڑھنے والے دونوں باتوں سے آگاہ ہو جائیں گے۔ (۳) ان دونوں نے مذہبی موضوعات کو موضوع نہیں بنایا، اس وجہ سے ان کی مخالفت بھی نہیں ہوئی مگر "تہذیب الاخلاق" کے موضوعات میں تہذیب، شائستگی، رسم و رواج کے علاوہ مذہبی مسائل بھی شامل تھے۔ چنانچہ ابھی دو تین پرچے ہی نکلے تھے کہ مخالفت کا بازار گرم ہو گیا اور متعدد اخبارات میں مخالفانہ مضامین شائع ہونے لگے اور اس کے رد میں رسائل بھی جاری ہوئے جن میں کانپور کا "نور الآفاق" اور "نور الانوار" قابل ذکر ہیں۔ مذہبی موضوعات کو شامل کرنا سرسید احمد خان کی ضرورت اور مجبوری تھی کیوں کہ مشرقی مزاج میں اصلاح معاشرت اور رسم و رواج مذہب سے جڑے ہوئے ہیں۔ سرسید بھی اسٹیل اور ایڈیسن کی طرح خود کو معاشرتی اصلاح تک محدود رکھنا چاہتے تھے، مگر بقول ان کہ مشرقی رویے میں تمام رسوم اور اطوار مذہبی نکتہ نظر سے سمجھے اور جانے جاتے ہیں اور مذہب کے بغیر کوئی کام آگے نہیں بڑھتا، ہر کام کے ترک اور اختیار میں مذہب کو لایا جاتا ہے۔ اس لیے مضامین میں مذہبی بحث کو لا محالہ لانا پڑتا ہے۔ (۴)

ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق:

> "سرسید کے بہت سے مضامین مذہبی بحثیں بن کر رہ گئے ہیں پھر ایڈیسن اور اسٹیل کے برخلاف سرسید "عملی انسان" بھی تھے اور ان کے علم کی تان اصلاح احوال و اخلاق کے ساتھ تعلیم پر ٹوٹتی ہے اور اس لیے تعلیم بھی ان کا مخصوص موضوع بن گیا ہے جو کبھی "ادب" کے دائرے سے نکل کر "علم" کے دائرے میں آ جاتا ہے اور کبھی "تعلیم و تربیت" جیسے مضامین میں عام فہم درجہ پر رہ کر ادبی ہو جاتا ہے"۔ (۵)

سرسید احمد خان نے "تہذیب الاخلاق" کا اجرا، ہندوستان کے مسلمانوں کو جدید رجحانات سے آشنا کرانے، ان کے مذہب، اخلاق، تعلیم، ادب اور شاعری کی اصلاح کے تحت کیا تھا۔ انھوں نے یہ مقاصد تفصیل سے بیان کیے ہیں:

- اس رسالے کے مقاصد مسلمانوں کو اعلیٰ درجے کی تہذیب کی جانب راغب کرنا تھا تاکہ ان کا شمار بھی مہذب اقوام میں ہونے لگے۔
- مسلمان قوم جن علوم و فنون پر نازاں ہے وہ اب کار آمد نہیں رہے۔
- علم ادب و انشاء محض الفاظ کی جمع آوری، ہم قافیہ الفاظ، وزن کے التزام، تک بندی، خیال آرائی اور مبالغے تک محدود ہے۔ روزمرہ کی تحریروں میں بھی یہ ہی خرابیاں نظر آتی ہیں۔ کوئی خط یا رقعہ ایسا نہ ہو گا جس میں جھوٹ اور وہ بات جو حقیقت میں دل میں نہیں ہے مندرج نہ ہو۔

- شاعری کی حالت بھی نہایت خستہ ہے۔ اس میں سوائے عشق و عاشقی کے مضامیں کے اور کچھ بھی اور وہ بھی پست درجے کے ہیں اور شائستگی اور اخلاق کے منافی ہیں۔
- خیال بندی کا طریقہ اور تشبیہ و استعارہ کا قاعدہ ایسا خراب و ناقص پڑ گیا ہے جس سے ایک تعجب تو طبیعت پر آتا ہے مگر اس کا اثر مطلق دل میں یا خصلت میں یا اس انسانی جذبہ میں جس سے وہ متعلق ہے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ شاعروں کو یہ خیال ہی نہیں ہے کہ فطرتی جذبات اور ان کی تحریک اور ان کی جبلی حالت کا کسی پیرایہ یا کنایہ و اشارہ یا تشبیہ و استعارہ میں بیان کرنا کیا کچھ دل پر اثر کرتا ہے۔
- علم دین تو وہ خراب ہوا ہے جیسا خراب ہونے کا حق ہے۔ اس معصوم سیدھے سادے سچے اور نیک طبیعت والے پیغمبر نے جو خدا تعالیٰ کے احکام بہت سدھاوٹ، صفائی اور بے تکلفی سے لوگوں تک پہنچائے تھے اسے فلسفے کی باریکیوں میں الجھا دیا ہے جس کے نتیجے میں لوگ اصلی احکام سے دور ہو گئے ہیں اور زید و عمر کے بنائے ہوئے اصول کی پیروی کرنے مجبور ہیں۔
- اخلاقی رویے منہ پر رام رام اور بغل میں چھری تک محدود ہیں۔ دوستی دغابازی، مکاری اور ہوشیاری تک محدود ہے اور یہ نفاق سے بھی بدتر ہے۔
- مجلسی گفتگو میں الفاظ کے انتخاب اور تہذیب و شائستگی کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ دوست کی بات کو جھوٹ کہہ دینا۔ دوست کی نسبت جھوٹ کی نسبت کر دینا روزمرہ کی بات ہے۔
- امیروں کا حال دیکھو تو ان کو دن رات بٹیر لڑانے اور مرغ لڑانے اور کبوتر اڑانے اور اسی طرح تمام لغویات میں اپنی زندگی بسر کرنے کے سوا کچھ کام و دھندا نہیں۔
- نیکی پر متوجہ ہوتے ہیں تو اس کو اتنا گھونٹتے ہیں کہ بدمزہ ہو جاتی ہے اور جب بدی پر اترتے ہیں پھر تو شیطان کے بھی کان کترتے ہیں۔
- یہ سب جو اس زمانے میں انگلستان میں تھا اب ہندوستان میں ہے۔ بلاشبہ ایک "ٹیٹلر" اور "اسپکٹیٹر" کی یہاں ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو اس پرچے کی صورت میں پوری ہوئی۔ مگر افسوس کہ یہاں کوئی اسٹیل اور اڈیسن نہیں ہے۔(۶)

سر سید ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیمی، مذہبی، معاشرتی اور ادبی غرض ہر حوالے سے اصلاح چاہتے تھے اور ان ہی کے تحت انھوں نے "تہذیب الاخلاق" کا اجرا کیا جس کی اولین اشاعت ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو سامنے آئی۔ یہ سات سال تک باقاعدہ شائع ہوتا رہا اور یکم رمضان ۱۲۹۳ھ کے پرچے پر اس کا خاتمہ ہو گیا اور اس عرصے میں ۲۲۶ مضمون طباعت آشنا ہوئے ان میں ۱۱۲ مضمون سر سید کے لکھے ہوئے تھے۔(۷) اس کے بند ہونے کی وجہ سر سید احمد خان کا دیگر قومی بھلائی کے کاموں میں مصروف ہونا تھا، جن میں "مدرسۃ العلوم" کا قیام سر فہرست تھا۔(۸) تہذیب الاخلاق دوسری بار جمادی الاول ۱۲۹۶ھ میں شائع ہوا اور دو برس پانچ ماہ جاری رہنے کے بعد بند ہوا۔ تیسری بار نواب محسن الملک کی تحریک پر دوبارہ شائع ہوا اور تین برس جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔

"تہذیب الاخلاق" مسلمانوں کی قومی تاریخ میں ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے مذہب، اخلاق اور ادب پر انمٹ اثرات مرتب ہوئے جنھوں نے سر سید تحریک میں بنیادی کردار ادا کیا:

"ہم نے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر ہر طرف سے تہذیب و شائستگی کا غلغلہ سنا۔ قومی ہمدردی کی صداوں کا ہمارے کانوں میں آنا۔ اردو زبان کے علم و ادب کا ترقی پانا یہی ہماری مرادیں تھیں... اب بہت لوگ ہیں جو ان باتوں کو پکارتے ہیں۔ گو اس وقت ٹیڑھی میڑھی لہریں کھاتے ہیں مگر پانی میں حرکت ہی آ جانا کافی ہے۔ پھر وہ خود اپنی پنسال میں آپ چورس ہو رہے گا۔"(۹)

"بند پانی سے بہ جز سڑ جانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ پانی کو بہنا چاہیے پھر کوئی نہ کوئی اپنا راستہ بنا لے گا۔ اس وقت ہماری ساری قوم میں اس بات کا غلغلہ ہے کہ ہماری حالت اچھی نہیں قوم کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ کیا یہ صدا ان لوگوں کے دلوں میں جو قومی بھلائی چاہنے والے ہیں جان نہیں ڈال دیتی ہے؟ سویلیزیشن جس کے نام سے لوگوں کو نفرت تھی۔ کیا اب اس کا چرچا ہر گلی کوچے میں نہیں ہے۔ کیا "نیچر" کا قافیہ کیچڑ کہتے ہوئے اب لوگوں کو شرم نہیں آتی ہے۔ کیا قومی ہمدردی کی کسی نہ کسی قدر تحریک اب ہر ایک کے دل میں نہیں ہے؟ کیا چار دانگ ہندوستان کے اخباروں میں تہذیب، تہذیب... قومی ہمدردی، پیٹریائزم (حبِ وطن) کا غلغلہ نہیں ہے؟ کوئی اخبار اٹھاؤ اس میں کسی نہ کسی پر کوئی نہ کوئی چھوٹا موٹا آرٹیکل دیکھ لو۔ جس گلی کوچے میں جاؤ سید احمد کے "تہذیب الاخلاق" کا جھگڑا سن لو۔ مکہ میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ، مدینہ میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ۔ برا کہو خواہ بھلا کہو مگر ہم دعا گوئوں کو مت بھولو... یہ ولولہ، یہ غلغلہ اور ہر ایک بات کا چرچا ہماری قومی بھلائی کی نشانی ہے"...(۱۰)

سر سید احمد خان نے "تہذیب الاخلاق" کے ذریعے ادب کو قدامت پرستی سے نکال کر جدت سے ہم کنار کیا۔ ان رسائل نے اردو زبان و ادب کو جدید خیالات سے آشنا کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ اظہار کے لیے سادہ اور سلیس زبان برتی گئی۔ صنائع لفظی، مقفٰی اور مسجع عبارت کی بجائے براہ راست اظہار کا وسیلہ اختیار کیا گیا۔ بقول سر سید "ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری یہ کوشش کہاں تک کارگر ہوئی... مگر اتنا ضرور دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے خیالات میں ضرور تبدیلی آ گئی ہے... اخباروں کی عبارتیں نہایت عمدہ اور صاف ہوتی جاتی ہیں۔"(۱۱)

سر سید احمد خان کا زبان سے متعلق موقف تھا:

"زندہ زبان میں ہمیشہ نئے نئے لفظ ملتے اور بنتے ہیں اور جب کوئی زبان محدود ہو جاتی ہے۔ مردہ کہلاتی ہے۔ غیر زبان کے الفاظ کو اپنا کر لینا اہلِ زبان کا کام ہے مگر ان کا ملا لینا آسان کام نہیں اہل زبان غیر زبان کے لفظ کو ایسی عمدگی سے ملا لیتے ہیں، جیسے تاج گنج کے روضہ میں سنگِ مرمر پر عقیق و یاقوت و زمرد کی پچی کاری ہے۔"(۱۲)

اس رسالے نے اردو شاعری میں جدید خیالات کے لیے راہ ہموار کی اور اردو ادب کی اصلاح کے لیے بھی کاوشیں کیں۔ ان کے بقول اردو میں نظم مکمل نہیں تھی بلکہ شعرا نے سارا زور غزل، واسوخت، مدحیہ قصائد اور ہجر و وصال کے قصوں میں صرف کر دیا تھا۔ اردو زبان میں صرف یہ ہی تھا۔ فطری مضامین جو کسی بھی شاعری کا خاصا ہوتے ہیں اردو میں نہ ہونے کے برابر تھے۔۔ اوزان بھی عام نوعیت

کے تھے۔ قافیہ ردیف کا التزام شاعری کی بنیاد تھی۔ بے قافیہ شاعری کا رواج نہیں تھا۔ اس بنا پر ہماری شاعری ناقص ہونے کے ساتھ ساتھ غیر مفید بھی تھی مگر نہایت خوشی کا مقام ہے کہ زمانے نے اس کو بھی رفارم کیا۔(۱۳)

سر سید احمد خان اس ضمن میں اہل پنجاب کی جدید شاعری کے حوالے سے کی گئی کاوشوں کی تعریف کرتے ہیں جن کی وجہ سے ۱۸۷۴ء میں لاہور میں نیچرل شاعری کے آغاز کا دن، تاریخی اعتبار سے اہم ہے۔ وہ محمد حسین آزاد اور مولانا حالی کی مثنویوں کی تعریف بھی کرتے ہیں جنھوں نے اردو شاعری کے مزاج میں تبدیلی لائی۔ ان کے خیال میں اگر شعرا اس کی طرف متوجہ رہیں تو ہمارے اردو ادب کی حالت بھی عمدہ ہو جائے گی(۱۴)

سر سید احمد خان کے مقاصد بہت اہم تھے اور وہ مسلمان قوم کی زندگی کے عام معاملات سے لے کر مذہبی، تہذیبی اور فکری غرض ہر حوالے سے اصلاح چاہتے تھے۔ بقول جمیل جالبی:

> "برصغیر کی سرزمین نے اب تک ایسا راہبر پیدا نہیں کیا جس نے فکر و عمل کو ملا کر ایک کر دیا ہو اور جس نے اتنی جہتوں میں ایک ساتھ کام کیا ہو۔ ان کے ہاں تفکر بھی ہے اور قلم بھی، تقریر بھی ہے، تحریر بھی، قدیم خیالات بھی ہیں۔ جدید خیالات بھی اور وہ دونوں کا امتزاج کر کے ایک ایسی نئی صورت پیدا کرتے ہیں جو ان کی زندگی میں قدرے کم لیکن بعد کے زمانے میں پوری قوت سے اس طرح ابھرتی ہے۔"(۱۵)

سر سید احمد خان نے اسٹیل اور ایڈیسن کے رسائل کی طرح "تہذیب الاخلاق" کا اجرا کیا اور ان کے بعض مضامین کو بھی اپنی وضع پر ڈھالنے کی کوشش بھی کی۔ چنانچہ ان کے کچھ مضامین انگریزی کا ترجمہ یا چربہ ہیں۔(۱۶) سر سید احمد خان پہلے مصلح اور بعد میں ادیب تھے۔ جبکہ اسٹیل اور ایڈیسن پہلے ادیب اور بعد میں مصلح تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کے مضامین ان کی مقصدیت کے نظریے کے تابع ہیں۔ موضوعاتی اعتبار سے سر سید کے مضامین کی ترتیب کچھ یوں ہے:

۱۔ خالص مذہبی مضامین
۲۔ سیاسی مضامین
۳۔ اصلاح معاشرت سے متعلق مضامین
۴۔ ادبی مضامین

سر سید احمد خان کے تمام مضامین کو باقاعدہ مضامین کی ذیل میں نہیں رکھا جا سکتا تاہم بعض مضامین ایسے ہیں جو مضمون نویسی کے تمام اصولوں پر پورا اترتے ہیں اور انھیں ادبی مضامین کے حوالے سے بھی اہمیت حاصل ہے۔ امید کی خوشی، گزرا ہوا زمانہ، بحث و تکرار، سراب حیات، اپنی مدد آپ، تعصب، کاہلی اور خوشامد ایسے ہی مضامین کی صف میں شامل ہیں۔

مضامین سر سید کا وصف اختصار ہے جو ایک مضمون کا بنیادی اصول ہے۔ ان کے مضامین میں ایک مضمون کی سی جزویت اور ناتمامی بھی پائی جاتی ہے۔ اپنے مضامین میں انھوں نے زندگی کے کسی ایک پہلو کو لیا ہے، جو ادبی مضامین کی بنیاد ہے۔ ان خصائص کے علاوہ

ان کے مضامین، مضمون نگاری کے دیگر لوازمات سے محروم ہیں۔ جس کی وجہ کسی جذباتی تحریک کا نہ ہونا ہے جو مضمون کی جان تصور کی جاتی ہے۔ دوسرے ان کے عام مضامین اتنے طویل، علمی معلومات سے پُر، منطقی اور ایک جامع منصوبہ بندی کے اتنے تابع ہوتے ہیں کہ ان سے ایک مضمون کی سی شگفتگی جاتی رہتی ہے۔ ان مضامین میں عالمانہ سنجیدگی ہے اور وہ ان میں ایک ادیب سے زیادہ معلم اخلاق کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ اخلاقی اقدار سے متعلق ان کے نظریات بھی، مادی منفعت اور مضرت کے اصول کے زیرِ تابع ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ ان کا مصلح زیادہ اور ادیب کم ہونا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے خیال میں:

> ''سرسید کے مضامین میں جو فلسفہ اخلاق پیش ہوا ہے اس کی غایت ''عملیت'' اور ''مفیدیت'' ہے۔ ان کے نزدیک جو شے دنیاوی طور پر مفید نہیں وہ اچھی بھی نہیں۔ تہذیب نفس اور مجلسی شائستگی ان کے ضابطہ و اخلاق میں ایک اہم قدر ہے۔ سرسید کے اخلاقی خیالات پر امام غزالی کی تعلیمات کا بھی عکس پڑا ہے مگر وہ امام غزالی کی صرف منطق اور عقلی تطبیق کے مداح معلوم ہوتے ہیں۔ غزالی کی روحانیت سے انھیں کوئی خاص دلچسپی معلوم نہیں ہوتی۔ اس منطق پسندی نے ان کے مضامین کو خشک بنا دیا ہے۔''(۱۷)

مضامین سرسید میں زندگی کے تصوراتی اور معقولاتی پہلو زیادہ نظر آتے ہیں۔ اس بنا پر یہ مضامین زندگی کے خوش نما، دلچسپ، خیال انگیز اور رنگین مرقعے نہیں بن سکے ہیں۔ اس بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے مضامین ادبی چاشنی سے محروم ہیں۔ ان کے مضامین بحث و تکرار، گزرا ہوا زمانہ، امید کی خوشی اور سراب حیات ایسے مضامین ہیں جو کسی تخلیقی وفور کے تحت لکھے گئے ہیں۔ ان میں تخیل کا غلبہ ہے اور واقعات کو بھی ہلکے پھلکے بے تکلفانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ایک کہانی کی کیفیت بھی ملتی ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ باقاعدہ ادبی مضمون کے لوازمات سے واقف تھے اور انھیں برتنا بھی جانتے تھے مگر وہ انھیں کسی بھی صورت میں اپنے قومی اور ملی تقاضوں پر قربان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ ایک طرف اسٹیل اور ایڈیسن جیسے ادیبوں سے متاثر تھے اور چاہتے تھے کہ معاشرتی اصلاح میں خوش طبعی سے جان ڈالیں مگر حالات نے انھیں مجبور کیا کہ وہ ادیب سے زیادہ مصلحانہ انداز اختیار کریں کیونکہ انھیں تہذیب و شائستگی اور حسن معاشرت سکھانے کے لیے مذہبی بحثوں میں الجھنا پڑتا تھا۔ اس لیے وہ اسٹیل اور ایڈیسن کے ساتھ ساتھ مقدس لوتھر کی ضرورت کو بھی محسوس کرتے تھے۔ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے وہ صرف ادب کو بنیاد نہیں بنا سکتے تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے اردو ادب میں مضمون نگاری کی طرح ڈالی۔

مضامین سرسید کا اسلوب بیان بہت حد تک ان کے مقاصد کے تابع ہے۔ انھوں نے اردو نثر کو سادہ اور سلیس انداز دیا اور اسے شخصی ترجمانی کی بجائے اجتماعی معاشرے کا عکاس بنایا۔ جس کے مطابق سادگی عبارت کے ساتھ ساتھ لطف مضمون کے ادا میں ہونا چاہیے، بات دل سے نکلے اور دل میں اترے۔ سرسید کے تصورِ اسلوب سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

الف: تحریر سادگی کی حامل ہونی چاہیے۔

ب: لطف مضمون میں ہونا چاہیے نہ کہ اس کے بیان میں

ج: بات دل سے نکلے اور دل میں اترے

مولانا حالی نے سر سید احمد خان کے اسلوب نثر کی وضاحت کرتے ہوئے سادگی، بے تکلفی، بے ساختگی اور مقصد نگاری کو ان کے اسلوب کی بنیاد قرار دیا ہے جسے وہ "نیچرل طرز بیان" قرار دیتے ہیں۔ یعنی وہ طرز بیان کہ جو مصنف اور قاری دونوں کے لیے بے تکلفانہ فضا پیدا کر دیتا ہے۔ سر سید احمد خان کے اسلوب نگارش میں خطوط غالب اور فورٹ ولیم کالج کی سادہ اور سلیس نثر کے علاوہ ان کا مقصدی رجحان ہے۔ وہ ادب کو بھی افادی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں ادب کا مقصد محض تفریح نہیں بلکہ مدعا کا بیان ہے۔ اگر مدعا میں سچائی اور صداقت ہو گی تو وہ اپنے بیان کے لیے خود راستہ پیدا کرے گا۔

سر سید احمد خان مصلح تھے۔ وہ مسلمانوں کی تہذیبی اور مذہبی اصلاح چاہتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ ایک خاص سیاسی نظریہ بھی رکھتے تھے، جس کے وہ ساری زندگی نقیب رہے۔ اس وجہ سے ان کے مضامین میں ایک واعظانہ جوش اور جذبہ ہے۔ اس نے ان کی تحریروں میں خطیبانہ اور واعظانہ رنگ اور اضطراب پیدا کیا ہے، جو انھیں ادب کی تخلیق کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ بقول حالی ان کی حالت تو اس بے قرار آدمی کی طرح تھی جو گھر میں آگ لگی دیکھ کر بے تابانہ ہمسایوں کو آگ بجھانے کے لیے پکارتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے خیال میں:

> "سر سید کے بے ساختہ پن میں کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو مذاق سلیم کے لیے خوش گوار نہیں... ترکیبوں کا بھدا پن، الفاظ کا عوامی لہجہ، فقروں کی کمزور شیرازہ بندی، فقرے کے اندر ناگوار لفظوں کی ناہموار خشت بندی، حروف ربط و عاطفہ کی بے آہنگ تکرار، انگریزی الفاظ کا بے ضرورت اور بے محل استعمال۔ یہ سب باتیں ادبی پرداخت کی طرف سے ان کی بے اعتنائی کا نتیجہ ہیں۔ ان کی تحریروں میں بے ساختہ پن یقیناً ہے مگر اس سے ان کی تحریر کا ادبی حسن کم ہو گیا ہے۔" (۱۸)

سر سید احمد خان کی تحریریں خیالات کی سچائی کی بدولت لطف کی حامل کم مگر پر تاثیر زیادہ ہیں کیونکہ انھوں نے ہمیشہ موضوع کی لطافت کی بجائے اس کی عظمت کو اپنے پیش نظر رکھا۔ وجہ ان کے عظیم مقاصد یعنی قومی اصلاح ہے۔ آثار الصنادید، آئین اکبری کی تصحیح، خطبات احمدیہ اور تفسیر القرآن اور عملی زندگی میں دارالعلوم کا قیام اور علمی و تہذیبی زندگی کی اصلاح کے لیے مقالات سر سید جیسے عظیم الشان مقاصد نے انھیں ادب کی تخلیق سے دور رکھا مگر ان کی تحریریں بعض وسائل کے ذرائع سے یکسر خالی بھی نہیں۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں صنائع و بدائع کی بعض صنعتوں میں سے تشبیہ، استعارے اور تمثیل کو برتا ہے۔ جس کی بدولت مضامین واقعہ نگاری کے خوبصورت مرقعے ہیں۔ جس میں ان کے ہاں جزئیات کے ذریعے واقعیت نگاری کو محسوساتی سطح پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ان واقعات میں منطقی ربط اور استدلال ہے جو ان کے مضامین کا بنیادی وصف ہے۔

سر سید کے اسلوب کی اہم خصوصیت موضوعاتی تنوع ہے۔ انھوں نے تاریخ، سیرت، تفسیر، فلسفہ، مذہب، قانون، سیاست، تعلیم اور مذہبی تقابل سے لے کر مسلمانوں کی تہذیبی اصلاح تک کو اپنا موضوع بنایا جو ان کی قادرالکلامی کو ظاہر کرتا ہے۔

مضامین سر سید کی زبان سلیس، اندازِ بیان میں گفتگو کا سا انداز ہے، مگر سنجیدگی اور متانت بنیادی خاصا ہے۔ ان کے بعض ایسے مضامین جن میں واعظانہ رنگ کم ہے، مضمون نویسی کا عمدہ نمونہ ہیں۔ ان مضامین میں تعصب، بحث و تکرار، گزرا ہوا زمانہ اور تکمیل اہم ہیں البتہ وہ مضامین جن میں تبلیغی جوش، واعظ اور تلقین زیادہ ہے۔ وہ مضامین سے زیادہ علمی مقالات ہیں۔ اس کے باوجود سر سید نے اردو نثر کے اسلوب کی تشکیل نو کی اور اس میں ایسا تنوع پیدا کیا کہ وہ مختلف النوع مضامین کے بیان کے قابل ہو سکی۔ انھوں نے انشا کی تمام قدیم روایات کو ختم کر کے ایک سادہ اور سلیس اسلوب کی بنیاد ڈالی۔ طرز ادا کی بجائے مقصد نویسی کو اہمیت دی جس کی وجہ سے اردو نثر ہر موضوع کے بیان کے قابل ہو سکی۔

حوالہ جات:

۱۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مرتب مضامین سر سید منتخبات تہذیب الاخلاق، لاہور، مکتبۂ خیابانِ ادب، ص ن ل

۲۔ مولانا الطاف حسین حالی، حیات جاوید، لاہور، ہجرہ انٹر نیشنل پبلشرز، طبع اول، 1984ء، ص:۱۶۷

۳۔ سر سید احمد خاں مقالات سر سید مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی، حصہ دہم، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع اول، دسمبر ۱۹۶۲ء، ص:۴۳

۴۔ سر سید احمد خان مقالات سر سید مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی، حصہ دہم، ص:۵۰

۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد چہارم)، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع اول، 2015ء، ص:۸۷۶

۶۔ مقالات سر سید، حصہ دہم، ص:۴۹۔۳۵

۷۔ حیات جاوید، ص:۱۷۱ ۸۔ ایضاً، ص: ۱۷۱

۹۔ مقالات سر سید، جلد دہم، ص:۴۸

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۱۲ ۱۱۔ ایضاً، ص:۱۱۴ ۱۲۔ ایضاً، ص:۱۱۶

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۲۰ ۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۲۱

۱۵۔ تاریخ ادب اردو، جلد چہارم، ص:۸۶۷

۱۶۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، سر سید اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع اول، 1986ء، ص:۴۳

۱۷۔ ایضاً، ص:۴۵ ۱۸۔ ایضاً، ص:۵۱

☆☆☆☆☆